اولاد کی سماجی و اجتماعی تربیت کا شرعی حکم

محمد لطیف مطہری کچوروی [۱]

خلاصہ :

تربیت اسلامی کے اہم امور میں سے ایک اولاد اور متربی کی سماجی و اجتماعی تربیت ہے جو اسلام کی سماجی واجتماعی تعلیمات کے عین مطابق ہو۔ والدین جس طرح اولاد کے عقائد، عبادات ،اخلاقیات ،احساسات کی تربیت کا ذمہ دار ہے اسی طرح ان کی سیاسی، اقتصادی اور سماجی واجتماعی تعلیم وتربیت کے بھی ذمہ دار ہے۔ سماجی و اجتماعی زندگی میں تحقیق کی اہمیت اس وجہ سے ہے کہ اسلام کی تعلیمات کا ایک اہم حصہ معاشرتی تعلیمات پر مشتمل ہیں جو افراد کے اجتماعی ارتقاء اور سماجی نشوونما پر مبنی ہیں اور افراد کو ایک دوسرے کے ساتھ بہتر اور صلح آمیز زندگی اور روابط قائم کرنے کے بارے میں نشاندہی کرتا ہے۔

اس موضوع پر فقہی تحقیق اس سلسلے میں اسلامی نقطہ نظر کو واضح کر سکتی ہے اور والدین اور مربی کے جو دینی فرائض ہیں ان کے حوالے سے آگاہی فراہم کر سکتی ہے جو اسلامی معاشرتی تعلیمات کے نفاذ اور اس کے سماجی مقاصد کے حصول کی طرف ایک قدم ہے۔ جو بات اہمیت کے حامل ہے وہ یہ ہے کہ یہ جاننا ضروری ہے کہ اولاد کی سماجی و اجتماعی تربیت کا ذمہ دار کون ہے؟ اور اس کا شرعی حکم کیا ہے؟ اس تحقیق میں ہم تجزیاتی اور اجتہادی طریقہ سے آیات اور احادیث پر توجہ مرکوز کرتے ہوئے اولاد کی سماجی اور اجتماعی تربیت کے حوالہ سے والدین اور مربی کے فرائض بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ بعض دلائل کے مطابق اولاد کی سماجی و اجتماعی تربیت والدین پر واجب اور بعض دلائل کے مطابق مستحب ہے۔

کلیدی الفاظ: دینی تربیت، سماجی تربیت، اجتماعی تربیت، تعلیم وتربیت۔

[۱]۔ اسلامک ریسرچ اسکالر، پی۔ایچ۔ڈی، شعبہ فقہ تربیتی، المصطفیٰ انٹر نیشنل یونیورسٹی ایران

تاریخ وصول: ۸/۳/۲۰۲۲ تاریخ تائید: ۵/۴/۲۰۲۲

مقدمہ:

اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔انسان کی خلقت کا مقصد معرفت اور قرب خداوندی حاصل کرنا ہے۔اسلام دین تعلیم وتربیت ہے اسی لئے خداوند متعال نے انسان کی تربیت کا بندوبست انسان کی تخلیق سے پہلے فراہم کیا اور انسان کو اپنی فطرت پر پیدا کیا اور اس کے اندر ایسی صلاحیت ودیعت کی کہ جس کے ذریعہ انسان اگر اپنے وجدان کی طرف توجہ کرے تو اس کا وجدان اسے رہنمائی کرے۔خداوند متعال نے صرف اسی پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ عملی میدان میں بھی انسان کی تربیت کا سامان فراہم کرتے ہوئے ایک لاکھ چوبیس ہزار انسان کامل، مربی اور انبیاء بھیجے تاکہ وہ انسان کو اس کی فطرت کے مطابق تربیت کرے۔قرآن کریم انبیاء الہی کی بعثت کے اہداف میں سے ایک انسان کی تعلیم وتربیت کو قرار دیتے ہوئے فرماتا ہے: (هُوَ الَّذی بَعَثَ فِی الْأُمِّیِّنَ رَسُولًا مِّنهْمْ یَتْلُواْ عَلَیهْمْ ءَایَاتِهِ وَ یُزَکِّیهِمْ وَ یُعَلِّمُهُمُ الْکِتَابَ وَ الحْکْمَة) [۲] اس خدا نے مکہ والوں میں ایک رسول بھیجا ہے جو انہی میں سے تھا تاکہ وہ ان کے سامنے آیات کی تلاوت کرے، ان کے نفوس کو پاکیزہ بنائے اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دے۔ تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی کوشش یہی تھی کہ انسان کی اندرونی طاقت واستعداد مثبت پہلوؤں کی طرف گامزن ہو، اور وہ کمال اور سعادت کی بلندیاں طے کرے۔ قرآن کریم سورۂ آلِ عمران میں اِس نکتہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے: (لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلىَ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولاً مِّنْ أَنفُسِهِمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَ يُزَكِّيهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَ الْحِكْمَةَ وَ إِنْ كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِى ضَلَالٍ مُّبِينٍ) [۳] ایمان والوں پر اللہ نے بڑا احسان کیا کہ اُن کے درمیان انہیں میں سے ایک رسول بھیجا جو انہیں اس کی آیات پڑھ کر سناتا اور انہیں پاکیزہ کرتا ہے اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے جبکہ اِس سے پہلے یہ لوگ صریح گمراہی میں مبتلا تھے۔امام خمینی رہ فرماتے ہیں: خدا کی طرف سے جتنے بھی انبیاء علیہم السلام تشریف لائے ہیں وہ سب انسان کی تربیت اور انسان سازی کے لئے آئے ہیں۔اسلامی تربیت کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں انسان کی تمام ضرورتوں کو مدنظر رکھا گیا ہے خواہ مادی ہوں یا معنوی، جسمانی ہوں یا روحانی۔خداوند متعال نے انسان کو بے شمار نعمتوں سے نوزا ہے جن میں سے ایک عظیم نعمت اولاد کی نعمت ہے۔ دین اسلام نے اس عظیم نعمت کے حوالے سے والدین کے اوپر کچھ ذمہ داریاں بھی عائد کی ہیں جن میں سے ایک اہم ذمہ داری اولاد کی صحیح تربیت کرنا ہے۔ بچے اس ننھے پودے کی مانند ہے جسے ہر قسم کی گرمی اور سردی سے محفوظ رکھ کر ایک تناور درخت کی شکل میں پروان چڑھانا ہوتا ہے۔ لہذا ضروری ہے کہ والدین اپنے بچوں کی تربیت میں کسی قسم کی بھی کوتاہی اور لاپرواہی نہ کریں۔ بچوں کی اچھی تربیت کے لئے والدین کو خصوصی توجہ دینی چاہیے تاکہ ایک باکردار، پرہیزگار اور باتقوی فرد معاشرہ کے سپرد کرے۔اولاد کی تربیت کے بارے میں اسلام نے بہت زیادہ تاکید کی ہے اسی لئے بہت

---

[۲] جمعہ، ۲۔

[۳] آل عمران، ۱۶۴۔

سے علماء و دانشوروں نے تعلیم و تربیت کے موضوع پر اپنی کتابوں میں اولاد کی تربیت پر قلم فرسائی کی ہے۔ ہم اس مختصر مقالہ میں اجتماعی و سماجی تربیت کے بارے میں شرعی حکم بیان کرنے کی کوشش کرینگے۔

تربیت کی لغوی و اصطلاحی تعریف:

لغت کی کتابوں میں لفظ "تربیت" کے لیے تین اصل اور ریشہ ذکر ہوئے ہیں۔ الف: ربا، یربو زیادہ اور نشو و نما پانے کے معنی میں ہے۔ ب: ربی، یربی پروان چڑھنا اور برتری کے معنی میں ہے۔ ج: رب، یرب اصلاح کرنے اور سرپرستی کرنے کے معنی میں ہے۔ [4] صاحب مفردات کا کہنا ہے کہ "رب" مصدری معنٰی کے لحاظ سے کسی چیز کو حد کمال تک پہچانے، پرورش اور پروان چڑھانے کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ [5]

صاحب التحقیق کا کہنا ہے اس کا اصل معنٰی کسی چیز کو کمال کی طرف لے جانے، نقائص کو تخلیہ اور تحلیہ کے ذریعے رفع کرنے کے معنٰی میں ہے۔ [6] بنابراین اگر اس کا ریشہ (اصل) "ربو" سے ہو تو اضافہ کرنا، رشد، نمو اور موجبات رشد کو فراہم کرنے کے معنٰی میں ہے لیکن اگر "ربب" سے ہو تو نظارت، سرپرستی و رہبری اور کسی چیز کو کمال تک پہنچانے کے لئے پرورش کے معنٰی میں ہے۔

اسلامی علوم اور دینی کتابوں میں تربیت کی مختلف تعریفیں کی گئی ہیں:

۱۔ قصد اور ارادہ کے ساتھ کسی دوسرے افراد کی رشد کے بارے میں ہدایت کرنے کو تربیت کہا جاتا ہے۔ [7]

۲۔ تعلیم و تربیت سے مراد وہ فعالیت اور کوشش ہے کہ جس میں بعض افراد دوسرے افراد کی راہنمائی اور مدد کرتے ہیں تاکہ وہ بھی مختلف ابعاد میں پیشرفت کرسکے۔ [8]

۳۔ تربیت، سعادت مطلوب تک پہنچنے کے لئے انسان کی اندرونی صلاحیتوں کو پروان چڑھانے کا نام ہے تاکہ دوسرے لوگ اپنی استعداد کو ظاہر کرے اور راہ سعادت کا انتخاب کرے۔ [9]

---

[4] طلال بن علی متی احمد، مادۃ اصول التربیۃ الاسلامیہ، مکہ مکرمہ، جامعہ ام القری، الکلیۃ الجامیہ، ۱۴۳۱ھ، ص ۸۔

[5] معجم مقاییس اللغہ، ص ۳۸۷؛ لسان العرب، ج ۲، ص ۱۴۲۰؛ مجمع البحرین، ج ۲، ص ۶۳؛ محمد مرتضی حسینی زبیدی، تاج العروس من جواہر القاموس، بیروت، دار الفکر، ۱۴۱۴ق، چ اول، ص ۴۵۹ و ۴۶۰.

[6] حسن مصطفوی، التحقیق فی کلمات القرآن الکریم، بیروت، دار الکتب العلمیۃ، ۱۴۳۰ق، چ سوم، ج ۴، ص ۲۰.

[7] فلسفہ تعلیم و تربیت، ص ۳۲.

[8] ایضا، ص ۴۲۔

[9] محمد بہشتی، مبانی تربیت از دیدگاہ قرآن، ص ۳۵.

۴۔ ہر انسان کی اندرونی استعداد کو بروئے کارلانے کے لئے زمینہ فراہم کرنااور اس کے بالقوہ استعداد کو بالفعل میں تبدیل کرنے کے لئے مقدمہ اور زمینہ فراہم کرنے کا نام تربیت ہے۔

۴۔ شہید مطہری لکھتے ہیں: تربیت انسان کی حقیقی صلاحیتوں کو نکھارنے کا نام ہے۔ ایسی صلاحیتیں جو بالقوہ جانداروں (انسان، حیوان، پودوں) میں موجود ہوں انہیں بالفعل پروان چڑھانے کو تربیت کہتے ہیں۔ اس بناء پر تربیت صرف جانداروں سے مختص ہے۔[10]

۵۔تربیت سے مراد مربی کا متربی کے مختلف جہات میں سے کسی ایک جہت { جیسے جسم، روح، ذہن، اخلاق، عواطف یا رفتار وغیرہ} میں موجود بالقوۃ صلاحیتوں کو تدریجی طور بروئے کار لانا یا متربی میں موجود غلط صفات اور رفتار کی اصلاح کرنا تاکہ وہ کمالات انسانی تک پہنچ سکے۔[11]

سماجی تربیت:

سماجی واجتماعی تربیت سے مراد والدین یا مربی کا بچوں اور متربی کے افکار و رفتار میں مثبت تبدیلی کی خاطر اقدامات انجام دینا ہے تا کہ اجتماعی و سماجی حوالے سے اس کے افکار اور رفتار مثبت ہو۔ دوسرے الفاظ میں سماجی تعلیم وتربیت سے مراد والدین اور مربی کا اولاد اور متربی میں مناسب سماجی جذبہ پیدا کرنے کے لیے سعی و کوشش کرنا، دوسروں کے ساتھ سماجی رابطے کی صلاحیتوں کو پروان چڑھانا اور اسے سماجی کردار ادا کرنے کے لئے تیار کرنا اور اس میں موجود غیر سماجی رویوں کی اصلاح کرنا ہے۔ اس مقصد کے لیے مربی کا متربی کو دوسروں کے حقوق سے آشنا کرانا، صحیح وسالم روابط قائم کرنے کے اصول وضوابط سکھانا اور دوسروں کے سماجی حقوق کا احترام کرنے کا رجحان پیدا کرنا ضروری ہے۔

سماجی تربیت میں مربی مندرجہ ذیل عناصر میں متربی کے مزاج اور سماجی شخصیت میں تبدیلی لانے کی کوشش کرتا ہے:

۱۔ دوسروں کے ساتھ اس کے تعلقات اور ہم آہنگی کی ضرورت کو پہچاننے کے لیے اس کے علم میں اضافہ کرتا ہے۔

۲۔ سماجی ذمہ داری کو قبول کرنے کے لیے دوسروں کی نسبت اس کے اندر سماجی احساسات اور جذبات پیدا کرنے کی کوشش۔

۳ . متربی کی سماجی روابط اور تعلقات میں مناسب سماجی کردار ادا کرنے کی صلاحیت پیدا کرنا۔

بنابراین سماجی اور اجتماعی تربیت کی تعریف ہم یوں کر سکتے ہیں: مربی کا متربی کی سماجی شخصیت کو کمال تک پہنچانے کے لئے بتدریج مدد کرنا، اسے سماجی ذمہ داریوں کی تعلیم دینا، اس کے اندر سماجی ذمہ داریوں سے متعلق دلچسپی پیدا کرنا تاکہ وہ بہتر طریقہ سے

---

[10] مرتضٰی مطہری، تعلیم وتربیت دراسلام، تہران: صدرا، ۱۳۷۳ش۔، ص ۴۳۔

[11] اعرافی علی رضا، سید نقی موسوی، فقہ تربیتی، ص ۱۴۱، موسسہ اشراق قم۔

سماجی ذمہ داریوں کو انجام دینے میں اپنا کردار ادا کر سکیں۔اس طرح متربی کے اندر موجود سماج مخالف رویوں میں تبدیلی پیدا کرنا ہے۔

اولاد اور متربی کی سماجی واجتماعی تعلیم وتربیت پر بعض دلائل بطور عام اور بعض بطور خاص موجود ہے۔ یہ دلائل فقہی نقطہ نظر سے والدین اور مربی پر اولاد اور شاگرد کی نسبت سماجی ذمہ داریوں کو بیان کرتا ہے۔ ہم یہاں ان میں سے بعض دلائل کو پیش کرنے کی کوشش کریں گے۔

الف: عمومی دلائل

ا۔ قاعدہ اعانہ بر بِرّ

لغت میں (بر) کے معنی صدق، سچائی، اطاعت، خالص اور قابل قبول عمل، ہمدردی، مہربانی، احسان اور نیکی ہیں۔[12] قرآن و سنت اور فقہاء کی اصطلاح میں اطاعت اور احسان کے معنی میں استعمال ہوا ہے، یہ دو معنی مفہوم کے اعتبار سے مختلف ہے کیونکہ اطاعت کا تعلق غلام اور آقا کے درمیان ہے اور احسان کا تعلق غلام اور دوسرے بندوں کے درمیان ہے لیکن مصداق کے لحاظ سے اطاعت کا معنی احسان سے عام ہے کیونکہ دوسروں کے ساتھ احسان کرنا بھی ایک امر الہی ہے اور یہ بھی اطاعت شمار ہوتا ہے اسی طرح واجبات اور مستحبات کی ادائیگی، محرمات اور مکروہات کے ترک کرنے کا نام بھی اطاعت ہے لیکن قرآن کریم، روایات اور فقہاء کے کلام میں اطاعت صرف واجبات اور مستحبات کے انجام دینے کے لئے زیادہ استعمال ہوا ہے اور محرمات اور مکروہات کے ترک کرنے کے لئے کلمہ اطاعت کا استعمال عام نہیں ہے۔[13]

قاعدہ اعانہ بر،بر: یعنی نیکی کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرنا فقہی قواعد میں سے ایک قاعدہ ہے جو بہت سارے احکامات کی اثبات کے لئے مورد استناد قرار پاتا ہے۔اس فقہی قاعدہ سے مراد سے مراد نیک اور تقوی الٰہی اختیار کرنے میں دوسروں کی مدد کرنا ہے۔اس فقہی قاعدہ کی دلیل عقل اور کچھ نقلی دلائل ہیں یعنی عقل دوسروں کی نیک کام میں مدد کرنے کو ایک اچھا اور نیک عمل سمجھتا ہے۔

وَ تَعَاوَنُواْ عَلَی الْبِرِّ وَ التَّقْوَی۔[4] اور (یادرکھو) نیکی اور تقویٰ میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو۔اس آیت میں لفظ "تعاونوا" جو امر کا صیغہ ہے وجوب پر دلالت کرتا ہے۔تاہم کچھ شواہد کے مطابق یہاں وجوب کے معنی میں نہیں آیا ہے۔کیونکہ دوسروں کی

---

[12] حسین بن محمد راغب اصفہانی، مفردات الفاظ القرآن، ص ۵۹۸.

[13] اعرافی، علی رضا، گروہی از محققین، قواعد فقہی، ج ۱، ص ۲۶۴، موسسہ اشراق و عرفان قم. ۱۳۹۳.

کسی قسم کی بھی مدد کرنا خاص طور پر نیک اعمال اور تقویٰ میں ان کے ساتھ شریک ہونا اوران کی مدد کرنا ایک مستحب عمل ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ نیکی کے تمام اقسام اور تمام مراتب واجب نہیں ہے اس لیے اس آیہ کریمہ کے ظہور سے ہاتھ اٹھاتے ہوئے اسے استحباب پر حمل کریں گے۔ لہٰذا آیہ کریمہ مطلقاً بچوں کی تربیت کے مستحب ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ اور یہ بات واضح ہے کہ بچوں کی سماجی واجتماعی تعلیم وتربیت میں مدد کرنا تقویٰ اور نیک کاموں میں مدد کرنے کے مصادیق میں سے ہیں بنابراین اس آیت کے مطابق والدین پر مستحب ہے کہ وہ اپنے بچوں کی سماجی تعلیم وتربیت کا بندوبست کریں اور انہیں ہر قسم کے انحرافات سے بچائیں۔

قاعدہ اعانہ بر بر اور اولاد کی سماجی تربیت

انسان فطری طور پر دوسروں کی طرف مائل ہوتا ہے اور اپنی زندگی میں بہت سے کام اجتماعی طور پر کرتا ہے۔ اسلام جو کہ دین فطرت ہے انسانوں کو حکم دیتا ہے کہ وہ آپس کے معاملات میں، اچھے اور نیک کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کریں۔ دوسری طرف گناہوں کے مرتکب ہونے کے لئے ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرنے کو حرام قرار دیا ہے۔

کلی طور پر تربیت کا مقصد ہر چیز کی آبیاری کرنا اور اسے کمال تک پہنچانا ہے تاکہ اس کی تمام صلاحیتیں نکھر جائیں۔ انسان کی تربیت کا مقصد بھی اس کی صلاحیتوں کی رشد اور نشو ونما کے لئے زمینہ فراہم کرنا اور انہیں مطلوبہ کمال تک پہنچانا ہے۔ "اعانہ بر بر" کا دائرہ وسیع ہے اور تربیت بھی ایک قسم کی نیکی اور بر ہے۔ نیکی کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرنے کا مطلب دوسروں کے لیے خیر اور نیکی حاصل کرنے کا ذریعہ فراہم کرنا ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ دوسروں کے ساتھ حسن سلوک کی ایک مثال والدین کی طرف سے بچوں کی تربیت ہے۔ بچوں کی مختلف شعبوں میں تربیت کی جا سکتی ہے جن میں سے ایک بچوں کی سماجی واجتماعی امور میں تربیت ہے۔ سماجی تربیت بچوں کے معاشرے میں دوسروں کے ساتھ تعلقات کے بارے میں ہے اور بچوں کو ان کے سماجی فرائض اور ذمہ داریوں کو پورا کرنے میں مدد کرتا ہے۔

انسان کی شرعی ذمہ داری کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ ہر انسان کی فردی ذمہ داری جسے اسے خود بجالانا چاہیے جیسے نماز پڑھنا، روزہ رکھنا وغیرہ دوسرا اجتماعی ذمہ داری جسے اسے دوسروں سے مل کر انجام دینا چاہیے جیسے دشمنوں کے خلاف جہاد وغیرہ یہ فقہی قاعدہ یعنی دوسروں کے ساتھ نیکی کے کاموں میں تعاون کرنا، اجتماعی وسماجی فریضے کو بیان کرتا ہے تاکہ افراد صرف انفرادی اور ذاتی فرائض کی انجام دہی پر اکتفانہ کریں یعنی ہر فرد اپنے انفرادی فرائض کے علاوہ دوسروں کے حوالہ سے بھی ذمہ دار ہے۔

دوسرے الفاظ میں آیہ کریمہ میں تقویٰ کے ساتھ دوسروں کی بھلائی کی تاکید کی گئی ہے۔ تقویٰ اور پرہیزگاری ایک فردی اور ذاتی کام ہے اور قرآن کی بعض آیات میں بعض انسانوں کی دوسروں پر فضیلت کا معیار تقوی قرار دیا ہے۔ لیکن ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ قرآن کریم کا اعلیٰ ترین آئیڈیل تقویٰ اجتماعی ہے۔ اور اگر ان بستیوں کے لوگ ایمان لے آتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین کی برکتوں کے دروازے کھول دیتے۔ [14] لہٰذا معاشرے میں نیکی اور تقویٰ کی فضا کو فروغ دینا ایک دینی ترجیح ہے اور والدین کا اپنے بچوں کی سماجی تعلیم و تربیت کرنا اس فقہی قاعدہ، معاشرتی ترقی اور اصلاح کی واضح اور روشن مصادیق میں سے ہے۔

۲۔ قاعدہ ارشاد جاہل

ارشاد مادہ رشد سے ماخوذ ہے اس کا لغوی معنی رہنمائی کرنا اور صحیح طریقے سے رہنمائی کرنا ہے اور اس کے مقابلہ میں کلمہ (غی) ہے جس کا معنی لوگوں کو گمراہی کی طرف رہنمائی کرنا ہے۔

اکثر فقہاء کے مطابق ارشاد سے مراد نیکی کی طرف رہنمائی کرنا جو دنیا اور آخرت کی بھلائی کے لیے ہو یہاں تک کہ لفظ ارشاد سے مراد تبیین اور وضاحت بھی لیا ہے۔ قرآن اور روایت میں جہل کے مقابل میں عقل آیا ہے نہ علم۔ یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ جاہل وہ شخص ہے جو چیزوں کو سمجھنے اور تجزیہ و تحلیل کرنے سے قاصر ہو، خواہ وہ عالم ہی کیوں نہ ہو۔ یعنی اس کے پاس بہت زیادہ معلومات ہے اور اس کا ذہن معلومات اور اصطلاحات سے پر ہے لیکن اس میں یہ صلاحیت نہیں ہے کہ وہ ان معلومات کا صحیح جگہ پر تجزیہ و تحلیل کرلے۔ بعض علماء نے اس قاعدہ کو تعلیم جاہل سے بھی تعبیر کیا ہے جس کا کلی معنی ہدایت کرنا ہے۔ لہٰذا جاہل کی ہدایت سے مراد کسی ایسے شخص کی رہنمائی کرنا ہے جسے غلط اور صحیح راستے کی پہچان نہ ہو۔

حکم عقلی کے مطابق لوگوں کو غفلت اور جہالت کی طرف لے جانا قابل مذمت اور قبیح عمل ہے جبکہ اس کے مقابل لوگوں کی رہنمائی کرنا بالخصوص شرعی احکام سے آگاہ کرنا عقل کے نزدیک قابل تعریف و تحسین ہے اور عقلاء جاہل افراد کی رہنمائی اور ان کی ہدایت کو قابل تحسین عمل سمجھتا ہے۔

کلی طور پر واجب شرعی احکام میں جاہل افراد کی رہنمائی اور انہیں تعلیم دینا واجب ہے۔ لیکن موضوعات میں جاہل کی رہنمائی واجب نہیں ہے۔ بعض فقہاء کے مطابق اگر موضوع کے بارے میں آگاہی سے جاہل کو نقصان پہنچنے کا خطرہ ہو یا اس کے لیے مشقت کا باعث ہو تو ان صورتوں میں ارشاد جاہل حرام ہے۔ البتہ بعض اہم امور جیسے مومنین کی جان، عزت، آبرو، نیز ان کی

---

[14] ۔اعراف: آیہ ۹٦۔

قابل قدر املاک، وغیرہ کو نقصان ہو رہا ہو تو یہ مذکورہ حکم سے مستثنیٰ ہیں، اور ان معاملات میں جاہل کی رہنمائی واجب ہے۔ لہذا قرآن وسنت کے مطابق واجب احکام اور مبتلا بہ احکامات میں جاہل کی رہنمائی واجب ہے۔ یہ فریضہ صرف والدین، خاندان اور حکومت کے ساتھ مختص نہیں ہے بلکہ ہر شخص کی ذمہ داری ہے جو شرعی احکامات کا علم رکھتا ہو۔

قاعدہ ارشاد جاہل اور بچوں کی سماجی تعلیم وتربیت

۱۔ قاعدہ ارشاد جاہل کے مطابق عموم مکلفین کی ذمہ داری ہے کہ وہ جاہل افراد کی رہنمائی کریں۔ جاہل بچوں کے والدین بھی اس حکم میں شامل ہیں۔ اس قاعدہ کے مطابق ایسے بچوں کی رہنمائی کرنا ضروری ہے جو شرعی احکامات اور مسائل سے ناواقف ہوں اور ان کا سیکھنا ان کے لئے لازم ہو اور ان مسائل کے نہ سیکھنے کی وجہ سے حرام کاموں میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہو یا واجبات ترک ہو رہا ہو تو ان صورتوں میں والدین پر لازم ہے کہ اپنے بچوں کو تعلیم دیں اور ان کی رہنمائی کریں۔

۲۔ واجب معاشرتی ذمہ داریوں سے متعلق احکامات سے لاعلم بچوں کی رہنمائی بھی اسی قاعدہ کی ایک مصداق ہے لہذا اپنے بچوں کو سماجی تعاملات اور تعلقات میں دوسروں کی جو الزامی حقوق ہیں ان کے بارے میں تربیت اجتماعی کے طور پر آگاہ کرنا لازم ہے۔

۳۔ بچوں کو ضروری سماجی تعلیم وتربیت فراہم کرنے کی اہمیت اور ضرورت کی وجہ یہ ہے کہ ایک طرف تو سماجی ذمہ داریوں سے آگاہی کا فقدان اس شعبے میں کام کرنے کے لیے ناکافی ترغیب کا باعث بنتا ہے اور دوسری طرف سماجی ذمہ داریوں سے لاعلمی نئی نسلوں کی سماجی انحرافات اور بہت سارے نقصانات کا باعث بنتا ہے۔

۴۔ قاعدہ ارشاد جاہل کے مطابق بچوں کی سماجی تربیت واجب عینی نہیں بلکہ واجب کفائی ہے۔

بنابراین کلی طور پر قاعدہ ارشاد جاہل کے مطابق جاہل افراد کی رہنمائی کرنا اور ان کو ضروری احکامات کی تعلیم دینا جن کی تعلیم لازم ہو (خواہ انفرادی تربیت کے لئے ہو یا اجتماعی تربیت کے لئے) والدین اور دیگر افراد پر لازم ہیں۔

۳۔ قاعدہ ہدایت

ہدایت ضلالت اور گمراہی کے مخالف ہے اور ہدیٰ کے مادہ سے ارشاد کا مطلب ہدایت، رہنمائی، اور راستہ فراہم کرنا ہے۔

اصطلاح میں، لفظ ہدایت کو "تربیت" کے ساتھ مترادف قرار دے سکتا ہے، لیکن "ہدایت" میں راستہ دکھانے کا پہلو زیادہ اور متربی کو خود سے اس راستے پر چلنا چاہیے۔ لیکن تربیت کا معنی عام ہیں یعنی کبھی اس کا مطلب راستہ دکھانا ہے اور کبھی اس کا مطلب ہاتھ پکڑ کر ساتھ لے کر چلنا ہے۔ لہذا ہر ہدایت کا نتیجہ سود مند نہیں ہوتا ہے۔ اگر ہدایت مفید و سود مند ہونا چاہیے تو مربی کی رہنمائی کے ساتھ ساتھ متربی کی تربیت ہونی چاہیے اور متربی خود ہدایت کے راستے پر چل کر منزل مقصود تک پہنچ جائیں۔

قاعدہ ہدایت کا حکم آیات اور روایات کے مجموعے سے حاصل ہوتا ہے، جس کی تفصیل اور تصریح اپنی جگہ پر ہو چکی ہے۔ یہاں ہم مختصراً ذکر کرتے ہیں۔[۱۵]

بہت سارے آیات اور احادیث میں لوگوں کی ہدایت کرنے کے بارے میں تاکید موجود ہیں۔ لیکن ان دلائل سے کیا حکم حاصل ہوتا ہے اس کے لئے یہ کہنا ضروری ہے ان آیات اور روایات کی کئی قسمیں ہیں۔ بعض آیات سے ہدایت اور تربیت کے وجوب کا حکم استنباط ہوتا ہے اور بعض سے ہدایت و تربیت کے رجحان کا حکم استنباط ہوتا ہے۔ ان آیات کے حکم کو جمع کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ تکالیف الزامی میں ہدایت واجب اور تکالیف غیر الزامی میں ہدایت رجحان رکھتی ہے۔

ہدایت کے ابواب میں موجود زیادہ تر روایات میں ہدایت کے بارے میں زیادہ تشویق اور بہت زیادہ پاداش کا ذکر موجود ہیں کہ جن سے حداکثر جو حکم استنباط ہوتا ہے وہ استحباب موکد ہے۔ بنابراین کلی طور پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ واجب کاموں میں ہدایت کرنا واجب اور غیر واجب کاموں میں ہدایت کرنا رجحان کا حکم رکھتا ہے لیکن بعض موضوعات میں ہدایت کرنا مستحب موکد ہے۔

قاعدہ ہدایت اور بچوں کی سماجی تعلیم و تربیت

قاعدہ ہدایت صرف جاہل، غافل، لاپرواہ، فاقد انگیزہ آگاہ شخص اور کچھ گمراہ لوگوں کو شامل نہیں بلکہ رشد اور کمال کے مراحل طے کرنے والے دیگر افراد کو بھی شامل ہے یعنی ان افراد کو بھی مختلف مراحل میں اور حالات کے مطابق ہدایت کرنا۔ لہٰذا ہدایت کا موضوع صرف گمراہ لوگوں تک محدود نہیں ہے۔

قاعدہ ہدایت کا دائرہ بہت وسیع ہے اور یہ تمام جہات کو شامل ہے جن میں افراد کی رشد اور کمال کی گنجائش موجود ہے اور ان جہات میں انسان کی گمراہی اور انحرافات کا امکان موجود ہے جیسے اعتقادات، عبادات نیز بچوں کی نسبت جو سماجی فرائض اور مسائل۔ اسی لئے قاعدہ ہدایت کی دلیل تعلیم و تربیت کے تمام شعبے جن میں سے ایک سماجی تعلیم و تربیت ہے، کو شامل ہے۔

دوسرے الفاظ میں دوسروں کی رہنمائی اور ہدایت کرنا انفرادی اور سماجی امور سب کو شامل ہے۔ بچوں کی تربیت میں قاعدہ ہدایت کے اصول پر عمل کرنے کی کی اہمیت بچوں کے بارے میں والدین کی سرپرستی کی وجہ سے ہے جو بچوں کی سماجی تربیت میں آسانی فراہم کرتی ہے۔ کیونکہ والدین اور اولاد کے درمیان ایک قسم کی ولایت اور مولویت کا رابطہ ہے جسے شریعت نے انہیں عطا

---

[۱۵] ۔ ہُوَ الَّذی اَرْسَلَ رَسُولَہٗ بِالْہُدی وَدینِ الْحَقّ؛ (توبہ، ۳۳، صف، ۹) وآیات: اعراف، ۱۵۹، ۱۸۱ انبیاء، ۲۷ و ۷۳۔ الَّذینَ یُبَلِّغُونَ رِسالاتِ اللّٰہِ وَیَخْشَوْنَہٗ وَلایَخْشَوْنَ اَحَداً اِلَّا اللّٰہَ وَکَفی بِاللّٰہِ حَسیباً (احزاب، ۳۹) مائدہ، ۹۲: فَاعْلَمُوا اَنَّما عَلی رَسُولِنَا الْبَلاغُ الْمُبینُ. آیات: آل عمران، ۲۰؛ رعد، ۴۰؛ نحل، ۸۲؛ تغابن، ۱۲

کیا ہے۔اس کے علاوہ خاندان کا خصوصی ماحول اور والدین کے ساتھ بچوں کا قریبی تعلق بچوں میں والدین کی اطاعت کے فطری رجحان کا سبب بنتا ہے اور یہ والدین کی رہنمائی کے لیے سازگار حالات فراہم کرتا ہے۔ لہٰذا قاعدہ ہدایت کے مطابق والدین اپنے بچوں کی معاشرتی تربیت کے ذمہ دار ہیں اور اگر وہ اس میدان میں اپنی ذمہ داری کو پورا نہ کرے اور بچوں کو کی مناسب تربیت نہ ہو اور وہ انحرافات اور گمراہی میں پھنس جائیں تو اس دلیل کی بناپر والدین کی سرزنش اور انہیں مواخذہ کر سکتا ہے۔اس لیے والدین کے لئے اپنے بچوں کی سماجی تعلیم وتربیت میں کوتاہی کرنا حرام ہے خاص طور پر جب انہیں اطمینان حاصل ہو کہ اگر ان کی صحیح تربیت نہ ہو تو وہ گمراہ اور انحرافات کا شکار ہو سکتے ہیں۔

۴۔ قاعدہ امر بہ معروف و نہی از منکر

امر بہ معروف یعنی نیکی کا حکم دینا اور نہی از منکر یعنی برائی سے روکنا، ایک خاص فقہی اور مذہبی اصطلاح ہے جو آیات اور احادیث مبارکہ (قرآن وسنت) سے ماخوذ ہے جو ایک دینی فریضہ اور ضروریات دین میں سے ہے۔ نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا ایک ایسا عمل ہے جو فرد اور معاشرے کے رویے کو درست کرنے، معاشرے کے لوگوں کو کام کرنے کی ترغیب دینے یا انہیں کام کرنے سے روکنے کے لیے کیا جاتا ہے۔ امر بہ معروف و نہی از منکر یعنی نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا فروع دین میں سے ہے اور تعلیم وتربیت کے اہم طریقہ کار اور روش میں سے ایک ہے جو قرآن اور احادیث میں دیگر مذہبی موضوعات کا مرکز ہے۔ یہ طریقہ کار زیادہ تر اجبار اور بیرونی ممانعت سے وابستہ ہے اس لیے اس میں ایک خاص حساسیت پائی جاتی ہے۔

قاعدہ امر بہ معروف و نہی از منکر اور بچوں کی سماجی تربیت

اسلام میں نیکی کا حکم دینا اور برائی سے منع کرنا ایک الٰہی فریضہ ہے اور ایک معاشرتی فریضہ جس کے لیے انفرادی اور اجتماعی طور پر دوسرے فرائض بھی اسی فریضہ پر وابستہ ہے۔ امر بہ معروف و نہی از منکر یعنی نیکی کا حکم دینے اور برائی سے منع کرنے کے خاص شرائط ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ معروف کو ترک کرنے والا اور منکر کو انجام دینے والا معروف اور منکر سے آگاہی رکھتا ہو۔اسی لئے اگر کوئی نیکی یا بدی سے واقف نہ ہو تو وہ امر بہ معروف اور نہی از منکر کے دلیل میں شامل نہیں ہوگا بلکہ ارشاد جاہل یا تعلیم جاہل کی بناپر اسے آگاہی دینا لازم ہے۔ بنابراین اگر کسی شخص نے آگاہی حاصل کرنے کے بعد اپنا مذہبی فریضہ ادا کیا ہے تو اب دوبارہ اسے امر بہ معروف اور نہی از منکر نہیں کیا جائے گا۔ لیکن اگر علم و آگاہی کے بعد بھی معروف کو ترک کردے اور منکر کو بجا لائے تو اس وقت اسے دوبارہ امر بہ معروف اور نہی از منکر کیا جائے گا۔ لہٰذا یہ قاعدہ یعنی امر بہ معروف اور نہی از منکر صرف تربیتی پہلو رکھتا ہے۔

دوسروں کو معروف کی طرف رہنمائی کرنے اور منکرات سے روکنے والے دلائل کی اطلاق تمام عوامل تربیت کو شامل ہوتی ہے اور دوسروں کو نیک کاموں کی طرف مائل کرنے کے مصادیق میں سے ایک والدین کا اپنے بچوں کی سماجی تعلیم و تربیت ہے جو اپنے بچوں کو مختلف شعبوں میں تربیت دینے کے ذمہ دار ہیں۔ البتہ یہ قاعدہ وہاں جاری ہوتا ہے جب کوئی معروف اور نیک کام ترک ہوا ہو اور کوئی منکر اور برا کام انجام پایا ہو چونکہ امر بہ معروف و نہی از منکر یعنی نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا ایک واجب کفائی ہے۔ والدین پر اس قاعدہ کے مطابق بچوں کی سماجی تعلیم و تربیت واجب کفائی ہے۔

ب: خصوصی دلائل

ا۔ آیہ وقایہ:

« يا أَيُّهَا الَّذينَ آمَنُوا قُوا أَنْفُسَكُمْ وَ أَهْليكُمْ ناراً وَقُودُهَا النَّاسُ وَ الْحِجارَةُ عَلَيْها مَلائِكَةٌ غِلاظٌ شِدادٌ لا يَعْصُونَ اللَّهَ ما أَمَرَهُمْ وَ يَفْعَلُونَ ما يُؤْمَرُونَ».[۱۶]

"اے ایمان والو! "اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں، وہ آگ جس پر فرشتے متعین ہیں جو متشدد اور سخت ہیں اور خدا کے حکم کی کبھی نافرمانی نہیں کرتے اور اس کے احکام کو بجا طور پر بجالاتے ہیں۔"

وقایہ کا لغوی معنی حفاظت اور ممانعت ہے۔ کسی چیز کو پہنچنے والے خطرے اور نقصان سے حفاظت اور ممانعت کرنا۔[۱۷] ابن فارس لکھتے ہیں: کوئی شئی کسی دوسرے شئی کے ذریعہ محفوظ رہے۔[۱۸] راغب مفردات میں لکھتا ہے کہ وقایہ سے مراد کسی شئی کو اس چیز سے بچانا جو اسے نقصان اور ضرر پہنچاتی ہو۔[۱۹]

حفاظت کی دو قسمیں ہیں: بعض اوقات خطرے سے حفاظت براہ راست ہوتا ہے اور کبھی کبھی بالواسطہ انسان خطرے سے کسی کو بچاتا ہے۔ خود خطرے سے بچانا انسان کے اختیار میں نہیں ہے لیکن اس خطرے کے جو اسباب اور عوامل ہیں وہ انسان کے دائرہ اختیار میں ہے۔

اپنے آپ کو جہنم سے بچانے کے لیے انسان پر لازم ہے کہ وہ الٰہی ذمہ داریوں کا پابند ہو جیسے واجبات کو بجالائے اور محرمات سے اجتناب کرے۔ لیکن اپنے اولاد، شریک حیات اور خاندان کے باقی افراد کو عذاب سے بچانے کے لیے اس پر صرف اتنا واجب ہے

---

[۱۶]. تحریم: آیہ ۶.

[۱۷] خلیل بن احمد فراہیدی، کتاب العین، ج۵، ص۲۳۸.

[۱۸] ابوالحسین احمد بن فارس، معجم مقائیس اللغۃ، ج۶، ص۱۳۱.

[۱۹] حسین بن محمد راغب اصفہانی، مفردات الفاظ القرآن، ص۸۸۱.

کہ وہ واجبات کو ادا کرنے کے لئے زمینہ فراہم کرے اسی طرح محرمات سے اجتناب کرنے کا مقدمہ فراہم کرے کیونکہ بقیہ افراد کی طرف سے وہ خود تمام فرائض کو انجام نہیں دے سکتا اور اسی طرح محرمات سے اجتناب نہیں کر سکتا۔ لہٰذا اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو جہنم کی آگ میں جانے کے جو اسباب و عوامل ہیں ان اسباب و عوامل سے بچاو۔ انسان صرف محرمات کو بجالا کر جہنم میں نہیں جاسکتا بلکہ واجبات کو ادا نہ کرکے بھی وہ جہنم میں جا سکتا ہے۔ بنابر این جہنم سے اپنے اہل و عیال کو بچانے سے مراد واجبات کی ادائیگی کے اسباب فراہم کرنا اسی طرح محرمات سے اجتناب کرنے کے اسباب و عوامل کو فراہم کرنا ہے۔ والدین اور مربی پر لازم ہیں کہ وہ واجبات کو بجالانے کے لئے زمینہ فراہم کریں تاکہ بچے اور متربی آسانی کے ساتھ واجبات کو ادا کر سکیں اسی طرح محرمات سے بچنے کے لئے خاص، مناسب تعلیمی و تربیتی اقدامات اٹھائیں۔
آیہ کریمہ اطلاق رکھتا ہے لہٰذا ہر قسم کے جائز تعلیمی و تربیتی اصول اور روش شامل ہیں۔

اس اہم الٰہی ذمہ داری کو انجام دینے کے لئے والدین کو امر و نہی اور دیگر ضروری تعلیمی و تربیتی اقدامات اٹھانا ہے تاکہ بچے الٰہی ذمہ داریوں کو کما حقہ انجام دیں، واجبات کو بجالائیں اور محرمات سے اجتناب کریں لہٰذا والدین پر اپنے بچوں کے الزامی اور واجب امور میں تربیت کرنا لازم ہے۔ اس شرعی ذمہ داری میں ماں اور باپ دونوں شامل ہیں اور اس واجب کو بجالانے کے لئے قصد قربت کی نیت ضروری نہیں ہے۔

سماجی و اجتماعی تعلیم و تربیت کا مقصد اولاد اور متربی کی سماجی اور اجتماعی شخصیت کو پروان چڑھانا ہے۔ اولاد اور متربی کی شخصیت کے اس پہلو کو پروان چڑھانے سے وہ سماج اور اجتماع میں بہتر طریقہ سے اپنا کردار ادا کر سکتے ہیں اسی طرح سماجی اور اجتماعی تعاملات میں دوسروں کے حقوق کو بہتر ادا کرنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔

یہ آیت والدین سے مخاطب ہے اور ان پر فرض کیا گیا ہے کہ وہ اپنے بچوں کو گناہ اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والے عقاب سے بچانے کے لیے تمام اقدامات کریں۔ اس حفاظتی اقدامات میں تعلیم و تربیت کے تمام شعبے شامل ہیں جیسے اعتقادی، اخلاقی، جنسی، سماجی اور اجتماعی وغیرہ۔ ان تمام شعبوں میں والدین کو چاہیے کہ وہ اپنے بچوں کو گناہوں سے بچنے اور واجبات کو بجالانے کے لئے نہایت ہی موثر اور لازم مقدمات فراہم کریں تاکہ بچے آسانی کے ساتھ الٰہی ذمہ داریوں کو پورا کر سکیں۔

بچوں کی سماجی و اجتماعی شخصیت کو فروغ دینے کے لئے ان کی سماجی اور اجتماعی تربیت کی ضرورت ہے تاکہ وہ اپنے سماجی اور اجتماعی فرائض اور ذمہ داریوں کو بطور صحیح انجام دے۔ والدین کی اس شعبے میں اپنی ذمہ داری سے عدم توجہی بچوں کی سماجی و اجتماعی نشو و نما اور تربیت میں کمی کا باعث بنتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ بچے دوسروں کے سماجی اور اجتماعی حقوق کی پاسداری نہیں کریں

گے اور دوسروں کے واجب حقوق کی خلاف ورزی اور دوسروں کے شخصی مسائل میں تجاوز کر سکتے ہیں۔ اس کا راہ حل یہی ہے کہ والدین اپنے بچوں کی سماجی و اجتماعی تربیت کریں تاکہ وہ کسی حرام کام میں مبتلا نہ ہو۔ لہٰذا والدین پر بچوں کی سماجی اور اجتماعی تعلیم و تربیت لے لازم ہونے کے لئے اس دلیل سے استفادہ کر سکتے ہیں۔

۲۔ عقلا کی سیرت:

عقلا کی سیرت بعنوان دلیل شرعی پیش کرنا ے کے لئے اس کی حجیت ثابت ہونا ضروری ہے۔ اس کی حجیت کے لئے شرط ہے کہ شارع کی موافقت ثابت ہو۔ اس صورت میں معیار وہی تقریر معصوم ہوگا۔[۲۰] یہ اس وقت درست ہے جب عقلا کی موجودہ سیرت معصومین علیہم السلام کے زمانے تک متصل ہو اور معصومین علیہم السلام کی طرف سے بھی کوئی مخالفت نہ ہو۔[۲۱]

عقلا کی طرف سے سماجی اور اجتماعی روابط کے لئے جو چیزیں معتبر ہے اگر شارع کی طرف سے اس کی تائید موجود ہو یا کوئی مخالفت موجود نہ ہو تو یہی چیز ان چیزوں کے شرعی طور پر بھی حجت ہونے کا باعث بنے گا۔[۲۲]

انسان فطری طور پر سماجی و اجتماعی رجحانات رکھتا ہے اور انسانوں کو اپنی بہت سی ضروریات پورا کرنے کے لیے ایک دوسرے کی ضرورت ہوتی ہے۔ دنیا کے عقلمند افراد اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ عام لوگوں کے لیے زیادہ سے زیادہ سماجی فوائد کی فراہمی بہت ضروری ہے۔ اس کے لیے نظریاتی طور پر سماجی حقوق اور ذمہ داریوں سے متعلق قوانین اور ضوابط کی جعل سازی اور قانون سازی کی ضرورت ہے۔ عملی نقطہ نظر سے سماجی حقوق کا احترام اور سماجی بدعنوانی کے واقعات کو روکنا معاشرے کے افراد کے عزم پر مبنی ہے۔ اس کے علاوہ یہ واضح ہے کہ سماجی حدود اور شخصی زندگیوں کو نظرانداز کرنا بد نظمی، ہرج و مرج، انتشار، معاشرے میں تقسیم بندی اور جدائی کا باعث بنتا ہے۔ جب بھی اس سلسلے میں بالواسطہ اور بلاواسطہ اقدام کرنے میں کوتاہی کریں تو یہ انتشار اور حرج و مرج کا باعث بنتی ہے اور عقلاء اس بات کی مذمت کرتے ہیں۔

سیرہ عقلاء سے استدلال:

۱۔ محمد باقر صدر، بحوث فی علم الاصول، تقریرات سید محمود حسینی شاہرودی، ج ۴، ص ۲۳۶ و ۲۳۷:

۲۔ علی دوست، فقہ و عقل، ص ۲۲۰

۳۔ علیرضا اعرافی، فقہ تربیتی، مبانی و پیش فرض ہا، تحقیق و نگارش سید نقی موسوی، ج ۱، ص ۸۲.

سیرہ عقلاء کو بعنوان دلیل بیان کرنے کے لئے چند نکات کا ذکر کرنا ضروری ہے:

۱. انسان فطرتاً اجتماع پسند ہے۔ انسانی سماجی زندگی کے معیار میں بہتری، تبدیلی اور ارتقاء کی صلاحیت موجود ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ مخلوقات میں سے صرف انسان کے پاس عقل اور اختیار ہے۔ لہٰذا پوری تاریخ میں دنیا کے دانشمند اور عقلاء کے خدشات میں سے ایک سماجی اور اجتماعی امور کی اصلاح، ترقی اور معاشرتی کرداروں اور ذمہ داریوں کی تکمیل کے ذریعے معاشرتی بدعنوانی کا خاتمہ رہا ہے۔ اس مقصد کے لیے والدین کی طرف سے نئے نسل کی اجتماعی اور سماجی تعلیم وتربیت اہمیت کا حامل ہے۔

۲. یہ بات واضح ہے کہ بچوں کی ایسی سماجی اور اجتماعی تعلیم وتربیت جو خود کو دوسروں کے حقوق کا ذمہ دار سمجھے یہ سیرت، معصومین علیہم السلام کے زمانے تک متصل ہے اور انہوں نے اس کی مخالفت بھی نہیں کی ہے بلکہ ایک قسم کی تائید بھی ہوئی ہے۔ لہٰذا یہ سیرت بچوں کی سماجی واجتماعی تعلیم وتربیت میں والدین کی ذمہ داری کو بیان کرتی ہے البتہ عقلاء کی سیرت صرف مفید اباحہ ہے اور اس سے صرف جواز ثابت ہوتا ہے، الزام اور رجحان ثابت نہیں ہوتا۔

۳۔ بعض قرائن کی موجودگی میں سیرہ عقلاء رجحان اور الزام پر بھی دلالت کرسکتا ہے۔ { بعض اقتضائات عقلی جیسے سماجی اور اجتماعی تعلیم وتربیت کے فقدان سے بدنظمی، حرج ومرج اور لوگوں کی معاشرتی زندگی میں خلل وغیرہ } لہٰذا جب والدین اپنے بچوں کی سماجی اور اجتماعی تعلیم وتربیت میں کوتاہی کریں جس سے معاشرے میں حرج ومرج اور معاشرتی زندگیوں میں خلل پڑے تو عقلاء اس کی مذمت کرتے ہیں۔

۴. عقلا عالم کے مطابق والدین کا اپنے بچوں کی سماجی اور اجتماعی تعلیم وتربیت کرنا ایک نیک عمل ہے۔ عقلا کی مذمت سے اگر ہم الزام کو سمجھ لیں تو سیرہ عقلاء الزام پر دلالت کرے گی لیکن اگر کوئی اس بات کو قبول نہ کریں تو سیرہ عقلاء کم از کم بچوں کی سماجی اور اجتماعی تعلیم وتربیت کی مطلوبیت پر ضرور دلالت کرتی ہے۔

۳. امیر المومنین علیہ السلام کا خط

و من وصية له للحسن بن علي كتبها إليه بحاضرين:

« يَا بُنَيَّ اجْعَلْ نَفْسَكَ مِيزَاناً فِيمَا بَيْنَكَ وَ بَيْنَ غَيْرِكَ فَأَحْبِبْ لِغَيْرِكَ مَا تُحِبُّ لِنَفْسِكَ وَ اكْرَهْ لَهُ مَا تَكْرَهُ لَهَا وَ لَا تَظْلِمْ كَمَا لَا تُحِبُّ أَنْ تُظْلَمَ وَ أَحْسِنْ كَمَا تُحِبُّ أَنْ يُحْسَنَ إِلَيْكَ وَ اسْتَقْبِحْ مِنْ نَفْسِكَ مَا تَسْتَقْبِحُ مِنْ غَيْرِكَ وَ ارْضَ مِنَ النَّاسِ بِمَا تَرْضَاهُ لَهُمْ مِنْ نَفْسِكَ وَ لَا تَقُلْ مَا لَا تَعْلَمُ وَ إِنْ قَلَّ مَا تَعْلَمُ ...».[۲۳]

---

۲۳. سید محمد رضی (سید رضی)، نہج البلاغۃ، ص ۳۴۱.

امام علی ابن ابی طالب علیہ السلام نے اپنی وصیت میں امام حسن علیہ السلام کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: میرا بیٹا اپنے آپ کو تمہارے اور دوسروں کے درمیان میزان قرار دو۔ جو تم اپنے لیے پسند کرتے ہو اسے دوسروں کے لیے بھی پسند کرو اور جو اپنے لیے پسند نہیں کرتے وہ دوسروں کے لیے بھی پسند نہ کرو۔ کسی پر ظلم و ستم نہ کرو کیونکہ تم نہیں چاہتے کہ کوئی تم پر ظلم و ستم کرے۔ دوسروں کے ساتھ بھلائی کرو جیسا کہ تم چاہتے ہو کہ دوسرے تمہارے ساتھ بھلائی کریں۔ جو کچھ اپنے لیے برا سمجھتے ہو دوسروں کے لیے بھی برا سمجھو۔ لوگوں سے قبول کرو جتنا تم دوسروں سے امید کرتے ہو اور جو کچھ جانتے ہو اسے مت کہو اگرچہ تم جو جانتے ہو وہ کم ہی کیوں نہ ہو۔

سندی جائزہ

سب سے پہلے اس بات کی طرف توجہ کرنے کی ضرورت ہے کہ نہج البلاغہ میں نہایت دقیق اور عمیق مطالب موجود ہیں جنہیں عقل اور روایات کی تائید حاصل ہے جس کی بنا پر اس کتاب کو "اخ القرآن" کہا جاتا ہے اور یہ مطالب کسی غیر معصوم سے صادر ہونا مشکل اور ناممکن ہے۔ حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے خطبات، خطوط اور حکمتیں سند کے بغیر مرسلہ طور پر نقل کیے گئے ہیں۔ نہج البلاغہ کی روایات کو سندی طریقہ سے درست کرنے کے کئی طریقے ہیں:

۱۔ روایات کی دوسری کتابوں کی سلسلہ اسناد کو دیکھنا

ایک طریقہ یہ ہے کہ ہم روایت کی دیگر کتابوں کے سلسلہ اسناد کو دیکھ لیں جن میں نہج البلاغہ کی روایتوں کو سند کے ساتھ نقل کیا گیا ہے۔ ان اسناد میں موجود راویوں کی وثاقت اور عدم وثاقت کی جانچ پڑتال کرنے کے بعد حدیث کی سند کے صحیح یا باطل ہونے کا علم ہو جاتا ہے۔ شیخ حر آملی کتاب وسائل الشیعہ میں امام علیہ السلام کے خط نمبر ۳۱ کے ایک حصہ کو نقل کیا ہے اور سلسلہ سند کو یوں بیان کیا ہے:

« عَلِيّ بْنُ مُوسَى بْنِ طَاوُسٍ فِي كِتَابِ كَشْفِ الْمَحَجَّةِ لِثَمَرَةِ الْمُهْجَةِ نَقْلًا مِنْ كِتَابِ الرَّسَائِلِ لِمُحَمَّدِ بْنِ يَعْقُوبَ الْكُلَيْنِيِّ بِإِسْنَادِهِ إِلَى جَعْفَرِ بْنِ عَنْبَسَةَ عَنْ عَبَّادِ بْنِ زِيَادٍ الْأَسَدِيِّ عَنْ عَمْرِو بْنِ أَبِي الْمِقْدَامِ عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ فِي وَصِيَّةِ أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ لِوَلَدِهِ الْحَسَنِ وَ هِيَ طَوِيلَةٌ».[۲۴]

اس سلسلہ سند کے راویوں کی صداقت کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ جعفر بن عنبسۃ اور عباد بن زیاد اسدی مجھول اور ان کی توثیق نہیں ہوئی ہے لہذا یہ روایت اس حوالے سے معتبر سند نہیں رکھتا ہے۔

---

[۲۴]. محمد حسن عاملی (حرّ عاملی)، وسائل الشیعۃ، ج ۲۱، ص ۴۷۸.

۲۔ دیگر ائمہ معصومین علیہم السلام نے امام کے کلام کو نقل کیا ہو

نہج البلاغہ کی روایتوں کی سند کو جانچنے کا ایک اور طریقہ یہ ہے کہ ان روایات کو دیگر ائمہ معصومین علیہم السلام نے استناد کیا ہو اور اسے دوسری روایات میں نقل کیا ہو۔ اس طریقہ کی روشنی میں اگر کسی معتبر روایت میں مذکور حصہ نقل ہوا ہو تو یہ نہج البلاغہ کی روایت کے صحیح ہونے کا سبب بنتا ہے۔ لیکن امام علیہ السلام کا یہ خط دیگر ائمہ معصومین علیہم السلام سے نقل نہیں ہوا ہے لہٰذا اس طریقہ سے اس خط کے معتبر ہونے کے بارے میں یقین حاصل نہیں ہوتا ہے۔

۳ .روایت کے بلند و عالی محتوی سے یقین حاصل ہو جائے

ایک طریقہ یہ ہے کہ نہج البلاغہ سے نقل کردہ محتوا کی استحکام کو دیکھ کر یقین ہو جائے کہ یہ امام سے ہی نقل ہوا ہے جو عقل کے اعتبار سے بھی مورد تائید ہے۔ یہ نکتہ نہج البلاغہ کے ان حصوں کے بارے میں { جو تعبدی احکام کے بارے میں نہیں ہے } قابل توجہ ہے خاص طور پر نہج البلاغہ کے خط نمبر ۳۱ کے بارے میں جس کے معارف نہایت ہی بلند ہے اسی بات کو مد نظر رکھتے ہوئے اس روایت کی سند کو قبول کیا جا سکتا ہے۔

۴۔ شہرت روائی

اسناد اور مصادر نہج البلاغہ کے مؤلف امام علیہ علیہ السلام کے خط نمبر ۳۱ کو امام علی علیہ السلام کے مشہور خطوط میں سے ایک قرار دیا ہے جسے سید رضی سے پہلے ہی بزرگ علماء نے اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے۔ جیسا کہ شیخ حر عاملی نے بیان کیا ہے: شیخ کلینی نے اسے کتاب الرسائل میں نقل کیا ہے۔ اسی طرح حسن ابن عبد اللہ عسکری نے کتاب الزواجر والمواعظ میں کتاب کشف المحجہ سے نقل کیا ہے۔ ابن عبد ربہ (متوفی ۳۲۸) نے کتاب عقد الفرید میں اس خط کا ایک حصہ نقل کیا ہے۔ حسن ابن علی ابن شعبہ الحرانی نے کتاب تحف العقول میں امیر المومنین علیہ السلام کے کلمات کی ضمن میں اسے کے نقل کیا ہے۔ شیخ صدوق نے بھی کتاب من لایحضر الفقیہ میں دو جگوں پر اس خط کے کچھ حصہ کو نقل کیا ہے۔ سید رضی کے بعد بھی بہت سے افراد نے اپنی کتابوں میں اس کا ذکر کیا ہے۔[۲۵]

مرحوم سید ابن طاؤوس نے کتاب کشف المحجہ کے آخر میں اس وصیت نامہ کو اسناد کے ساتھ نقل کیا ہے۔ مجموعی طور پر اس خط کے لیے علماء کی طرف سے چھ سند ذکر ہوا ہے جن میں مختلف طرق سے اسے نقل کیا گیا ہے۔[۲۶] ان تمام اسناد اور مداک سے یہ

---

[۱]۔ سید ہاشم میلانی، نہج البلاغہ المختار من کلام امیر المؤمنین، ص ۴۱۷.

[۲]۔ السید عبدالزہرا الحسینی الخطبب، مصادر نہج البلاغہ واسانیدہ، ج ۳، صص ۲۹۸-۳۰۱.

بات واضح ہو جاتی ہے کہ اس خط کو امیر المومنین علیہ السلام کی طرف منسوب کرنے میں کوئی شک و شبہ باقی نہیں رہتا ہے۔ اس کے علاوہ اس خط کے بہترین اور عالی محتوی سے بھی یہ یقین ہو جاتا ہے کہ امام معصوم کے سوا کسی اور سے یہ بات صادر ہونا محال ہے۔

لہٰذا کلی طور پر فقہی استدلالات میں نہج البلاغہ کے خطبات، خطوط اور حکمات کے سلسلہ اسناد کی جانچ پڑتال کرنے کی ضرورت ہے۔ یعنی فقہی طور پر استناد کرنے کے لئے نہج البلاغہ میں موجود امام علی علیہ السلام کے کلمات کی سندی طور پر بررسی کی ضرورت ہے تاکہ سلسلہ اسناد کی تصحیح کرکے اسے فقہی استدلالات میں استفادہ کر سکیں۔ اگر سلسلہ اسناد کی تصحیح نہ ہو سکے تو اسے فقہی استدلالات میں استفادہ نہیں کر سکتے کیونکہ وہ معتبر نہیں ہے۔ اس خط کے بہترین اور عالی محتوا جو مورد تائید عقل ہے اور متعدد منابع میں نقل ہونے کی وجہ سے جو شہرت حاصل ہوئی ہے ان وجوہات کی بناپر امام علیہ السلام کے اس خط کی سند کو صحیح اور درست کرنا ممکن ہے۔

روایت کی دلالت

امام علی علیہ السلام اس روایت کے ایک حصے میں جو پہلے بیان ہوئی، اس بات پر زور دیتے ہیں کہ اس سے پہلے کہ ان کا بچہ گناہ، قساوت قلب اور انحرافات کا شکار ہو، ان کی تربیت کے لئے انتظامات کئے ہیں۔ امام اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے معاشرے میں دوسروں کے ساتھ تعلقات قائم کرنے کے جو کلی اصول اور فرائض ہیں، بیان کرتے ہیں۔ یہ کلی قانون کہ "ہر انسان کو اپنے آپ کو میزان قرار دینا چاہیے۔ خود کو دوسروں کی جگہ پر رکھنا چاہیے، یا دوسروں کو اپنی جگہ پر رکھنا چاہیے۔ اگر لوگ اسلامی معاشرے میں ان اصولوں سے واقف ہوں اور دوسروں کے ساتھ میل جول میں ان قوانین پر عمل پیرا ہوں تو وہ دوسروں کے رویے کی تائید یا مذمت کرتے وقت، منافع کی تقسیم کے وقت، مشکلات اور پریشانیوں میں خود غرض، متکبر نہیں ہوں گے اور دوسروں کا استحصال نہیں کریں گے۔ [۲]اس قاعدہ کا نتیجہ یہ ہے کہ دوسروں کے رویے کی تعریف اور مذمت کرتے وقت قابل قبول معیار کو سامنے رکھنا ہے۔ سماجی اور اجتماعی رابطے کی راہ میں حائل رکاوٹوں کے بارے میں امام نے اپنے بیان میں ظلم و ستم کرنے سے منع کیا ہے جس کی وجہ سے لوگ ایک دوسرے سے دوری اختیار کرتے ہیں۔ دوسری طرف دوسروں کے ساتھ مہربانی کا حکم دیتا ہے جو دلوں کو نزدیک کرتا ہے۔ پس انسان کی سماجی اور اجتماعی تربیت کرکے اچھے اور برے رویوں اور بول چال

---

[۱]۔ جمعی از نویسندگان، درآمدی بر نظام نامہ تربیتی المصطفیٰ—، ص۵۳۸.

، تفرقہ اور تقسیم کے خلاف ایک پروگرام فراہم کر سکتا ہے جو اتحاد و اتفاق اور قربت کی فضا پیدا کرنے کی راہ ہموار کرے۔ نیز اسلامی معاشرے میں ایک دوسرے کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم کرنے کا سبب بن سکتا ہے۔

چند بنیادی نکات ذکر کرنے کے بعد اب مذکورہ روایت کی دلالت پر بحث کرتے ہیں۔

اس روایت میں امام کی نصیحت جو آپ نے اپنے فرزند کو بیان کی ہے اور ان کی تربیت کے سلسلے میں آپ کی عملی سیرت بیان ہوئی ہے۔ شریعت کے پسندیدہ اور قابل تعریف امور میں سے ایک اولاد کی تعلیم وتربیت پر خاص توجہ دینا ہے۔ البتہ سیرت بذات خود صرف جواز پر دلالت کرتی ہے۔ اس کے علاوہ یہاں اس چیز کو مد نظر رکھنا ضروری ہے کہ بعنوان امام آپ کی کیا ذمہ داری ہے ؟ اور بعنوان باپ آپ کی کیا ذمہ داری ہے ؟

مجموعی طور پر بچوں کی تعلیم وتربیت کے حوالے سے امام کی تاکید کے مطابق یہ روایت کم از کم اولاد کی تربیت کے مستحب ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ اسی طرح مجموعی قرائن جو آپ کے کلام میں بیان ہوئے ہیں جیسے بچے کی ہلاکت اور بربادی کا خطرہ وغیرہ سے یہ ثابت کر سکتا ہے کہ اولاد کی اجتماعی اور سماجی تربیت کرنا والدین پر واجب ہے۔

۴۔ حضرت لقمان کی سیرت

والدین پر اپنے اولاد کی سماجی اور اجتماعی تعلیم وتربیت کے فرض ہونے کے بارے میں جو دلائل ہیں ان میں سے ایک حضرت لقمان کی منقول سیرت ہے جو قرآن کریم میں ان سے نقل ہوئی ہے۔ حضرت لقمان نے اپنے بچے کے لیے مختلف قسم کی نصیحتیں کی ہیں جن میں سے بعض بچوں کی سماجی واجتماعی تعلیم وتربیت سے متعلق ہیں۔

حضرت لقمان اسلام سے پہلے کے حکماء میں سے تھے۔ قرآن پاک کی سورتوں میں سے ایک سورہ کا نام اسی شخصیت سے منسوب ہے۔ حضرت لقمان کے نبی ہونے کے بارے میں اختلاف ہے لیکن قرآن کریم میں ان کی سیرت، سنت اور طرز عمل بیان اور ان کی تجلیل ہوئی ہے۔ کلی طور پر قرآن کریم میں مختلف طریقوں سے بعض افراد اور شخصیات کا تذکرہ ہوا ہے جو نبی نہ ہونے کے باوجود دوسروں سے ممتاز تھے اور اپنے زمانے کے برجستہ مومنین میں سے تھے جن کا کردار ایک اعلی نمونہ کے طور پر انسانوں کی تعلیم وتربیت اور ہدایت کے کے لیے قرآن کریم میں بیان ہوئی ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں فرعون، قارون اور نمرود جیسے طاغوت اور ظالم افراد کی داستان بھی دوسروں کے لئے عبرت کے لئے بیان ہوئی ہے۔ حضرت لقمان اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

« وَ لاَ تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَ لاَ تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحاً إِنَّ اللَّهَ لاَ يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ».[۲۸] اس آیت میں انہوں نے نے حکم دیا ہے کہ میرا بیٹا لوگوں سے بے اعتنائی کرکے منہ نہ پھیرنا اور زمین پر اکڑ اکڑ کر نہ چلو کیونکہ اللہ تعالی کسی متکبر کو پسند نہیں کرتا۔« وَ اقْصِدْ فِي مَشْيِكَ وَ اغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ إِنَّ أَنْكَرَ الْأَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيرِ».[۲۹] آیت میں آخری حکم یہ ہے: (میرے بیٹے!): چلنے میں اعتدال کا خیال رکھو۔ چپ رہو (اور کبھی نہ چلاؤ) کہ بدصورت آوازیں گدھوں کی آوازیں ہیں۔ حضرت لقمان اپنے ان نصیحتوں میں یہ کوشش کرتے ہیں کہ ان کا فرزند سماجی اور اجتماعی اصول اور قواعد کا خیال رکھیں تا کہ سماجی اور اجتماعی حوالے سے ان کے رفتار اور کردار کی اصلاح ہو۔ مومنین کے حقوق میں سے ایک یہ ہے کہ ایک دوسرے کے ساتھ محبت اور گشادہ دلی کے ساتھ پیش آ جائیں۔ اس کے مقابلے میں دوسروں سے لاپرواہی اور بداخلاقی کے ساتھ پیش آنا، مومنین سے منہ موڑنا، تکبر اور غرور وغیرہ کی دینی تعلیمات میں مذمت ہوئی ہے اسی طرح لوگوں کے درمیان دوستی پیدا کرنے سے روکنے کے اسباب فراہم کرنا، بے جا اپنی اواز کو بلند کرنا یہ سب غلط عادتیں ہے۔ مثبت اقدامات کی کوشش اور نامناسب افعال سے اجتناب ایک معاشرے کے سماجی و اجتماعی حقوق میں سے ہیں۔

بہر حال اس سورہ میں حضرت لقمان کی سیرت نقل کرتے ہوئے قرآن کریم انسانوں کی اصلاح اور تعلیم و تربیت کے لیے مختلف اصول اور طریقے استعمال کرتا ہے۔ کلی طور پر حضرت لقمان کی ان نصیحتوں میں اعتقادات، فقہی اور اخلاقی احکامات سے متعلق مختلف ہدایات شامل ہیں جن میں واجبات اور مستحبات سب شامل ہیں۔ چند بنیادی نکات ذکر کرنے کے بعد مذکورہ آیت کا والدین پر اولاد کی سماجی اور اجتماعی تربیت کے لازم ہونے کی دلالت کو بیان کرنے کی کوشش کریں گے۔

حضرت لقمان کی سیرت کی دلالت

حضرت لقمان خواہ نبی یا معصوم نہ بھی ہو ان کی سیرت کی توثیق ثابت ہو چکی ہے اور اس کی دلیل قرآن کریم میں اس سیرت کا نقل ہونا ہے۔ قرآن کریم میں ان کی سیرت کا قرائن اور شواہد کے ساتھ نقل ہونا جو اس کے محتوا کی تاکید کرتا ہو اسی طرح حکم اور موضوع کے درمیان مناسبت، مذکورہ سیرت کے معتبر اور صحیح ہونے پر دلالت کرتی ہے۔

قرآن کریم حضرت لقمان کی فضیلت کچھ یوں بیان کرتی ہے: «ولقدآتینا لقمان الحکمة» "ہم نے لقمان کو حکمت عطا کی ہے" اور دوسری آیت میں حضرت لقمان کی اپنے بیٹے کے ساتھ گفتگو یوں بیان کرتی ہے:«و إذ قال لقمان لابنه و هو يعظه»

---

[۲۸]. لقمان: آیہ ۱۸.

[۲۹]. لقمان: آیہ ۱۹.

یعنی قرآن کریم حضرت لقمان کی گفتگو کو موعظہ سے تعبیر کرتا ہے اوراان کی سیرت اور رفتار کی تائید کرتا ہے۔یہ فعل حضرت لقمان کی سیرت کے راجح ہونے پر دلالت کرتا ہے۔

دوسرے الفاظ میں حضرت لقمان کااپنے بیٹے کو نصیحت کرناایک بہتر اور نیک عمل ہے،اوران کی نصیحت اور موعظہ بھی حکمت پر مشتمل ہے۔انہوں نے اپنے بیٹے کواچھے کاموں کی ترغیب کی ہے اور برے کاموں سے روکا ہے جیساکہ قرآن کریم نے بھی اچھی چیزوں کی طرف لوگوں کو دعوت دی ہے اور بری چیزوں سے لوگوں کواجتناب کاحکم دیا ہے۔تمام قرائن اور شواہد کو سامنے رکھتے ہوئے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ حضرت لقمان خود ان خصوصیات کے حامل تھے۔

لیکن کیاان سیاق وسباق سے ہم وجوب کے حکم کو استفادہ کر سکتے ہیں؟حضرت لقمان کی اس سیرت سے ہم وجوب کو استفادہ نہیں کر سکتے اصولی نقطہ نظر سے زیادہ سے زیادہ یہ سیرت رجحان اور جواز پر دلالت کرتی ہے۔بنابراین ان کی نصیحتیں وجوب پر دلالت نہیں کرتی ہے۔باقی تمام قرائن کو سامنے رکھتے ہوئے اور چونکہ یہ سیرت ان کی فرزند کی تربیت کے حوالہ سے ہیں اس لئے یہ سیرت رجحان اور استحباب پر دلالت کرتی ہے لیکن ان آیات میں کوئی ایسا قرینہ موجود نہیں ہے جو وجوب اورالزام پر دلالت کرے۔

بہر حال یہ بات واضح ہے کہ حضرت لقمان کی کچھ نصیحتیں خاص طور پر سماجی واجتماعی رشد اور لوگوں کے ساتھ بہتر تعاملات کے بارے میں ہیں۔لوگوں کے ساتھ بد تمیزی سے پیش نہ آنا،لوگوں کے درمیان غرور وتکبر کے ساتھ نہ چلنا،اعتدال اور میانہ روی اختیار کرنااوراپنی آواز کو بلند نہ کرنا یہ سب سماجی تعلقات کے لئے نہایت ضروری ہے۔

کلی طور پر بلا شبہ دیگر دلائل سے قطع نظر اگر حضرت لقمان کی سیرت کو اصولی طور پر معتبر قرار دیں تو یہ سیرت رجحان اور استحباب پر دلالت کرتی ہے۔حضرت لقمان اوران کے فرزند کے درمیان جو نسبت ہے اسی خصوصیت کو دیگر والدین اوران کے فرزندوں کو شامل کراتے ہوئے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ سیرت مستحب موکد پر دلالت کرتی ہے۔اس صورت میں اولاد کی سماجی اوراجتماعی تعلیم وتربیت والدین پر واجب نہیں بلکہ مستحب اور نیک عمل ہوگا۔

نتیجہ:

والدین شرعی طور پر ذمہ دار ہیں کہ وہ اپنے بچوں کی سماجی تعلیم وتربیت کے لئے سعی وکوشش کریں۔اس موضوع پر مختلف دلائل بیان ہوئے۔بعض دلائل کی بناپر بچوں کی سماجی واجتماعی تعلیم وتربیت والدین پر واجب ہے جبکہ بعض دیگر دلائل کے مطابق مستحب ہے۔

قاعدہ اعانہ بر بر، یعنی نیکی کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرنا، ایک نیک عمل ہے۔ بچوں کی تربیت کرنا نیکی کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرنے کے اہم مصادیق میں سے ہے اور اس کے مطابق بچوں کی سماجی و اجتماعی تربیت کرنا بھی ایک پسندیدہ، نیک اور مستحب عمل ہے۔

قاعدہ وجوب ارشاد جاہل کے مطابق جاہل افراد کے لئے ضروری احکامات اور واجبات الہی کی تعلیم دیناواجب ہے۔ اس قاعدہ کے مطابق جاہل کی تعلیم یا رہنمائی واجب کفائی ہے۔

قاعدہ ہدایت کے مطابق ضروری اور واجب دینی احکامات میں تکلیف کی عمومی شرائط کو مد نظر رکھتے ہوئے، دوسرے افراد کی ہدایت کرنا واجب کفائی ہے۔ یعنی یہ عمل مستحب سے بڑھ کر افضل ہے۔ دوسرے افراد کی مختلف پہلوؤں میں رہنمائی کرنا اور ان کی ہدایت کرنا بالترتیب انبیاء کرام، علماء اور والدین پر واجب ہے۔ اگر والدین کو اس بات کا اطمینان حاصل ہو کہ اگر وہ بچوں کی تربیت میں کوتاہی کریں تو یہ ان کی گمراہی اور انحرافات کا باعث بنیں گے تو اس صورت میں والدین کی طرف سے کوتاہی کرنا حرام ہے اور وہ عقاب کا بھی مستحق ہوگا۔

امر بہ معروف و نہی از منکر یعنی نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا تمام مکلفین پر واجب ہے۔ نیکی کا حکم دینا اور برائی سے منع کرنا، ایک تربیتی طریقہ کار ہے جو سماجی تربیت کے میدان میں سود مند ہے اور اس قاعدہ کے مطابق اولاد کی سماجی تربیت والدین پر واجب کفائی ہے

آیہ وقایہ کے مطابق اولاد کی تربیت کرنا والدین پر لازم اور واجب ہے جس کی اطلاق تربیت کے تمام شعبوں کو شامل ہوتی ہے جن میں سے ایک اولاد کی سماجی و اجتماعی لحاظ سے تربیت کرنا ہے اور یہ حکم واجب عینی، توصلی اور تعیینی ہے۔ اگر نئی نسلوں کی سماجی تربیت کو نظر انداز کرنا اخلاقی فساد، بد نظمی اور ذاتی و سماجی تباہی کا باعث بنتا ہے تو اس شعبہ میں کوتاہی کرنا عقلاء عالم کے نزدیک قابل مذمت ہے۔

امام علی علیہ السلام کا امام حسن علیہ السلام کے نام جو خط ہے اس کے مطابق اولاد کی تعلیم و تربیت کے لئے ضروری اقدامات بجالانا حداقل مستحب عمل ہے یہاں تک کہ امام علی علیہ السلام نے اولاد کی جو ہلاکت اور تباہی کا ذکر فرمایا ہے اس کو مد نظر رکھتے ہوئے یہ کہہ سکتے ہیں کہ والدین پر اولاد کی سماجی تربیت کرنا ایک واجب عمل ہے۔

حضرت لقمان کی سیرت بھی رجحان اور استحباب پر دلالت کرتی ہے بلکہ یہاں بھی ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس سیرت کے مطابق بچوں کی سماجی و اجتماعی تربیت کرنا مستحب موکد ہے۔

تربیتی نکات:

۱. اجتماعی امور میں بھی بچوں کی کماحقہ تربیت ہو اور اجتماعی طور پر بھی وہ تکامل کے راستہ کو طے کرے اس لئے والدین کو ان امور کی طرف توجہ رکھنا چاہئے۔

۲. والدین کوشش کریں کہ بچہ مستقل اور خود اعتماد ہو۔

۳. والدین بچوں کو اپنے امور کے متعلق فیصلہ کرنے میں آزاد رکھے اسی طرح دوسروں کے نظریات سے بھی استفادہ کرنے کا حق دے۔

۴. بچوں کو مختلف کاموں کی ذمہ داری سونپا جائے تاکہ وہ اپنی ذمہ داری کو بہتر طریقہ سے انجام دے۔

۵. والدین بچوں کو مستقبل کے بارے میں سوچنے اور فکر کرنے کی بھی تعلیم دے۔

۶. والدین بچوں کے ساتھ نرمی اور آسانی کے ساتھ پیش آجائے تاکہ بچے بھی دوسروں کے ساتھ نرمی اور آسانی کے ساتھ پیش آئے۔

۷. والدین بچوں کو اجتماعی اور گروہی کاموں کی طرف ہدایت اور رہنمائی کرے۔

۸. والدین بچوں کو دوسروں کے ساتھ بہتر اور مناسب طریقہ سے پیش آنے کا طریقہ سکھائیں۔

۹. والدین بچوں کو مثبت اور پائیدار چیزوں کی تعلیم دے جو ان کی نشو و نما کا باعث بنتا ہو۔

۱۰. والدین بچوں کو انتقاد پذیر اور ان میں موجود کمزوریوں کی اصلاح کی تعلیم دے۔

۱۱. والدین کبھی بھی بچوں کے سامنے ایک دوسرے کے ساتھ لڑائی جھگڑا اور غیر منطقی گفتگو نہ کریں۔

۱۲. والدین بچوں کی خداداد ی صلاحیتوں اور استعدادوں کو پہچان لیا کریں اور انہیں پروان چڑھانے میں ان کی مدد کریں۔

۱۳. بچوں کی عقلانی اور جسمانی رشد و نشو و نما کے ساتھ ساتھ انہیں آزادی اور اپنے اختیار پہ چھوڑ دیں۔

۱۴. اگر بچوں کے سامنے والدین سے خطا یا غلطی سرزد ہو جائے تو وہ اس کا اعتراف کریں تاکہ بچے بھی اپنی غلطیوں کا اعتراف کرنے کی جرات پیدا کریں۔

۱۵. والدین بچوں کے سامنے کبھی بھی ایک دوسرے کے ساتھ جھوٹ نہ بولیں کیونکہ اگر والدین اس چیز کی رعایت نہ کریں تو بچے بھی خود بخود جھوٹ بولنے کی عادت پیدا کریں گے۔

۱۶. والدین بچوں کو ہمیشہ اچھے کاموں کی تشویق و ترغیب دلائیں۔

۱۷. والدین اور مربی بچوں کو ان کی استعداد، صلاحیت اور عمر کے تقاضوں کے مطابق ذمہ داری سونپے۔

۱۸. بچوں کو اچھے کاموں کی عادت تمرین اور تکرار سے ہی حاصل ہو جاتی ہے اور اچھی عادات تدریجاً بری عادات کی جگہ لیتی ہے لہٰذا والدین اور مربی کو اس بات کی طرف توجہ رکھنی چاہیے۔

۱۹۔والدین بچوں سے یہ امید نہ رکھے کہ وہ پہلی دفعہ ہی مطیع محض اور اچھے و مطلوب رفتار کے مالک بن جائے، بلکہ ان مطالب کو سمجھنے اور درک کرنے میں انہیں وقت درکار ہے۔

۲۰۔اولاد کو برے دوستوں کی صحبت سے بچائیں

۲۱۔والدین اپنے بچوں کے لئے بہترین استاد اور بہترین سکول کا انتخاب کریں۔

۲۲۔والدین دیگر افراد کے درمیان اس کی غلطی یاد نہ دلادے۔

۲۳۔دیگر رشتہ داروں کے سامنے اولاد کی شکایتیں نہ کریں۔

۲۴۔والدین اپنے بچوں کو غلط عقائد و نظریات رکھنے والوں کے متعلق آگاہ کریں۔

۲۵۔والدین بچوں کے سامنے ایک دوسرے سے انتہائی ادب واحترام سے پیش آجائیں۔

۲۶۔سب کے سامنے بچوں کو سزا نہ دیں۔

۲۷۔اپنے بچوں کو دوسرے بچوں کے ساتھ موازنہ نہ کریں۔

۲۸۔اپنے بچوں کو ان کے سوالات کرنے کی اجازت دیں اور آپ ان کے سوالات کے جوابات کھلے دل سے اور ان کی سمجھ اور فہم کے مطابق دینے کی کوشش کریں۔

۲۹۔ بچوں سے متعلق معاملات میں انہیں اپنی رائے اور عقائد کا اظہار کرنے دیں تاکہ اپنے دماغ اور عقل کی سے مدد حاصل کریں۔

۳۰۔ اپنے بچوں کو مختلف پروگراموں میں شرکت کرنے کی اجازت دیں اور ان کی حوصلہ افزائی کریں تاکہ وہ اپنی معلومات پر تبصرہ کریں اور دوسروں کے سامنے بات کریں۔

۳۱۔ جب بچوں کے لئے کوئی مسئلہ پیش آجائے ہو تو فوراان کے مسائل حل کرنے کی کوشش نہ کریں بلکہ ان کی مدد کریں تاکہ وہ خود اس مسئلہ کو حل کریں۔

۳۲۔ بہنوں، بھائیوں اور دوستوں کے ساتھ باہمی تعلقات کے اصول ان کو سمجھائیں اور ان کی حوصلہ افزائی کرنے کی کوشش کریں۔

۳۳۔بچوں کے اندر ہمدردی اور تعاون کے جذبے کو بڑھانے کی کوشش کریں اور ان کو تعلیمی اور دیگر سرگرمیوں میں شرکت کرنے کے لئے مدد کریں۔

۳۴۔ اپنے بچوں میں ایک اچھے ذمہ دار شہری بننے کے جذبہ اجاگر کرنے کے لئے صحیح تربیتی طریقہ کار کو اپنائیں تاکہ وہ اپنی ذمہ داریوں سے غافل نہ رہے۔

۳۵۔ اگر بچوں کے درمیان جھگڑا ہو تو ہمیشہ چھوٹے بچے کی طرفداری نہ کریں یا بار بار کسی ایک بچے کو مورد سرزنش قرار نہ دیں۔

۳۶۔ اپنے بچوں کو ابتدا ہی سے نظم وضبط کی پابندی کرنا سکھائیں اور ان کو آزادی، اختیار اور ان سے مثبت استفادہ کرنے کا طریقہ کار سکھائیں۔

فہرست منابع :

قرآن کریم

نہج البلاغہ ؛ مؤسسہ نہج البلاغہ ، قم، اول، ۱۴۱۴ق .

۱. ابن منظور، محمد بن مکرم، لسان العرب، بیروت، دار صادر، سوم، ۱۴۱۴ق.

۲. ابوالحسین، احمد بن فارس بن زکریا، معجم مقائیس اللغۃ، قم، انتشارات دفتر تبلیغات اسلامی حوزہ علمیہ قم، اول، ۱۴۰۴ق.

۳. احمدی، احمد، اصول و روش ہای تربیت در اسلام، اصفہان، دانشگاہ اصفہان، ششم، ۱۳۸۷.

۴. اعرافی، علیرضا، تربیت فرزند با رویکرد فقہی، تحقیق و نگارش سید نقی موسوی، قم، مؤسسہ اشراق و عرفان، اول، بہار ۱۳۹۳.

۵. اعرافی، علیرضا، روش ہای تربیت، تحقیق و نگارش گروہی از محققین، قم، مؤسسہ اشراق و عرفان، اول، ۱۳۹۵.

۶. اعرافی، علیرضا، قواعد فقہی؛ تسبیب اعانہ بر اثم و اعانہ بَر برّ، تقریر احمد عابدین زادہ، سید محمد حسین جلال زادہ و جواد ابراہیمی، قم، موسسہ اشراق و عرفان، اول، ۱۳۹۳ش.

۷. اعرافی، علیرضا، فقہ تربیتی؛ مبانی و پیش فرض ہا، تحقیق و نگارش سید نقی موسوی، قم، مؤسسہ اشراق و عرفان، اول، ۱۳۹۱.

۸. بجنوردی، سید محمد بن حسن موسوی، قواعد فقہیہ، تہران، مؤسسہ عروج، سوم، ۱۴۰۱ق.

۹. برقی، ابو جعفر، احمد بن محمد بن خالد، المحاسن، قم، دار الکتب الاسلامیۃ، دوم، ۱۳۷۱ق.

۱۰. بہشتی، محمد، آرای دانشمندان مسلمان در تعلیم و تربیت و مبانی آن (۵) فیض کاشانی، تہران، سازمان مطالعہ و تدوین کتب علوم انسانی دانشگاہہا (سمت)؛ قم، پژوہشگاہ حوزہ و دانشگاہ، دوم، بہار ۱۳۸۸.

۱۱. تبریزی، جواد بن علی، صراط النجاۃ، قم، دار الصدیقۃ الشہیدۃ، اول، ۱۴۲۷ق.

۱۲. جمعی از پژوہشگران، زیر نظر سید محمود ہاشمی شاہرودی، فرہنگ فقہ مطابق مذہب اہل بیت، قم، مؤسسہ دائرۃ المعارف فقہ اسلامی بر مذہب اہل بیت، اول، ۱۴۲۶ق.

۱۳. جمعی از نویسندگان، درآمدی بر نظام نامہ تربیتی المصطفیٰ، ص۵۳۸.

۱۴. جوہری، اسماعیل بن حماد، الصحاح - تاج اللغۃ و صحاح العربیۃ، دار العلم للملایین، بیروت، اول، ۱۴۱۰ق.

۱۵. حاجی دہ آبادی، محمد علی، درآمدی بر نظام تربیتی اسلام، قم، دفتر تحقیقات و تدوین متون درسی مرکز جہانی علوم اسلامی، اول ۱۳۷۷.

۱۶. حسینی زادہ، سید علی و محمد داودی، سیرہ تربیتی پیامبر و اہل بیت، قم، پژوہشگاہ حوزہ و دانشگاہ؛ تہران، سازمان مطالعہ و تدوین کتب علوم انسانی دانشگاہہا (سمت)، اول، ۱۳۸۹.

۱۷. حسینی زادہ، سید علی و محمد داودی، درسنامہ سیرہ تربیتی پیامبر و اہل بیت، قم، پژوہشگاہ حوزہ و دانشگاہ؛ قم، دانشگاہ فرہنگیان؛ تہران، سازمان مطالعہ و تدوین کتب علوم انسانی دانشگاہہا (سمت)، پژوہشکدہ تحقیق و توسعہ علوم انسانی، اول، ۱۳۹۷.

۱۸. حلّی، حسن بن علی بن داود، رجال ابن داود، تہران، انتشارات دانشگاہ تہران، ۱۳۸۳ق.

۱۹. راغب اصفہانی، حسین بن محمد، مفردات الفاظ القرآن، تحقیق: صفوان عدنان داودی، بیروت، دار العلم الدار الشامیۃ، اول، ۱۴۱۲ق.
۲۰. طباطبایی، محمد حسین، المیزان فی تفسیر القرآن، قم، دفتر انتشارات اسلامی وابستہ بہ جامعہ مدرسین حوزہ علمیہ قم، پنجم، ۱۴۱۷ق.
۲۱. طباطبایی، محمد حسین، روابط اجتماعی در اسلام، قم، دفتر انتشارات اسلامی وابستہ بہ جامعہ مدرسین حوزہ علمیہ قم، اول، ۱۳۸۲.
۲۲. طبرسی، احمد بن علی، الاحتجاج، مشہد، نشر مرتضی، اول، ۱۴۰۳ق.
۲۳. طریحی، فخر الدین، مجمع البحرین، تہران، کتابفروشی مرتضوی، سوم، ۱۴۱۶ق.
۲۴. طوسی، محمد بن حسن، تہذیب الأحکام، تہران، دار الکتب الإسلامیۃ، چہارم، ۱۴۰۷ق.
۲۵. طوسی، محمد بن حسن، رجال الشیخ الطوسی، نجف، حیدریہ، ۱۳۸۱ق.
۲۶. طوسی، محمد بن حسن، الفہرست، نجف، المکتبۃ المرتضویۃ، بی تا.
۲۷. طوسی، محمد بن حسن، المبسوط فی فقہ الإمامیۃ، تہران، المکتبۃ المرتضویۃ لإحیاء الآثار الجعفریۃ، سوم، ۱۳۸۷ق.
۲۸. عاملی، حر، محمد بن حسن، تفصیل وسائل الشیعۃ إلی تحصیل مسائل الشریعۃ، قم، مؤسسہ آل البیت، ۱۴۰۹ق.
۲۹. عاملی، شہید ثانی، زین الدین بن علی، حاشیۃ شرائع الإسلام، انتشارات دفتر تبلیغات اسلامی حوزہ علمیہ قم، ۱۴۲۲ق.
۳۰. فراہیدی، خلیل بن احمد، کتاب العین، قم، ہجرت، دوم، ۱۴۱۰ق.
۳۱. فیومی، احمد بن محمد مقری، المصباح المنیر فی غریب الشرح الکبیر للرافعی، قم، منشورات دار الرضی، اول، بی تا.
۳۲. قائمی مقدم، محمد رضا، روش ہای تربیتی در قرآن (ج۱)، قم، پژوہشگاہ حوزہ و دانشگاہ؛ سازمان مطالعہ و تدوین کتب علوم انسانی دانشگاہ ہا (سمت)، اول، ۱۳۹۱.
۳۳. کشی، محمد بن عمر بن عبدالعزیز، رجال الکشی، انتشارات دانشگاہ مشہد، ۱۳۴۸ش.
۳۴. کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، اصول کافی، تہران، دار الکتب الإسلامیۃ، چہارم، ۱۴۰۷ق.
۳۵. گروہی از نویسندگان؛ زیر نظر محمد تقی مصباح یزدی، فلسفہ تعلیم و تربیت اسلامی، قم، مؤسسہ آموزشی و پژوہشی امام خمینی (رہ)، دوم، ۱۳۹۱.
۳۶. مجلسی، محمد باقر بن محمد تقی، بحار الأنوار، بیروت، مؤسسۃ الطبع والنشر، اول، ۱۴۱۰ق.
۳۷. مصطفوی، حسن، التحقیق فی کلمات القرآن الکریم، تہران، مرکز الکتاب للترجمۃ والنشر، اول، ۱۴۰۲ق.
۳۸. مصطفوی، سید محمد کاظم، مائۃ قاعدۃ فقہیۃ، قم، دفتر انتشارات اسلامی وابستہ بہ جامعہ مدرسین ۱۴۲۱ق.
۳۹. مطہری، مرتضی، مجموعہ آثار استاد شہید مطہری، تہران، صدرا، اول، ۱۳۸۰.
۴۰. نجاشی، احمد بن علی، رجال النّجاشی، قم، دفتر انتشارات اسلامی وابستہ بہ جامعہ مدرسین حوزہ علمیہ قم، ۱۴۰۷ق.
۴۱. نوری، میرزا حسین، مستدرک الوسائل و مستنبط المسائل، قم، مؤسسہ آل البیت%، ۱۴۰۸.
۴۲. واسطی، زبیدی، حنفی، محب الدین، سید محمد مرتضی حسینی، تاج العروس من جواہر القاموس، بیروت، دار الفکر للطباعۃ والنشر والتوزیع، اول، ۱۴۱۴ق.